ثقافت

بشیر احمد ڈار

ہندو مت، بھگتی اور مسلمان

ہندو مت یا برہمن مت دنیا کے مختلف قدیم ترین مذاہب میں سے ہے۔ اس کی ابتدائی حالت چار ویدوں اور خاص کر رگ وید کی مناجاتوں پر مبنی ہے جو آریہ رشیوں اور منیوں نے اپنے ذاتی تجربات اور وجدانی کیفیتوں کی بنا پر خالق کائنات کے حضور میں پیش کئے۔ ان کا زمانہ تقریباً ۱۵۰۰ اور ۱۲۰۰ قبل مسیح کا ہے۔ اس ابتدائی دور میں دیوتاؤں کی کثرت ہر جگہ نظر آتی ہے اور یہ مختلف دیوتا کائنات کے مختلف مظاہر کے نمائندے تھے۔ کائنات کی ابتدا کے متعلق ان کا تصور بالکل میکانکی سا ہے۔ جس طرح کوئی عمارت یا دوسری کوئی مادی چیز مختلف اجزا کی باہمی آمیزش سے تعمیر ہوتی ہے۔ اس کی تخلیق کا کام بعض دفعہ تمام دیوتاؤں کے نام مجموعی طور پر اور بعض دفعہ چند مخصوص دیوتاؤں کے نام منسوب ہے۔ ایک جگہ رگ وید (۱۰-۹۰) میں کہا گیا ہے کہ اس دنیا کا آغاز اس وقت ہوا جب دیوتاؤں نے ایک وجود قدیم کی قربانی کی۔ اس کا سر آسمان میں تبدیل ہو گیا، اس کے جسم کا دوسرا حصہ ہوا میں اور اس کی پاؤں نے زمین کی شکل اختیار کی۔ اس کے مختلف اعضا سے چار ورن یعنی ذاتیں ظاہر ہوئیں۔ یہ وجود قدیم پرش یعنی انسان اول کا ہی تھا جو اتھر وید میں روح کائنات کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ رگ وید میں دو اور جگہوں میں آغاز کائنات کے متعلق ایک مختلف بیان بھی ملتا ہے۔ اسمیں ظاہر کیا گیا کہ یہ کائنات عدم (یعنی است) سے وجود (یعنی ست) میں آئی۔ ایک دوسری جگہ مذکور ہے کہ جب گرمی اور حرارت (تپش) کے باعث سمندر کی پیدائش ہو چکی تو ایک تکوینی وجود یعنی خالق نے یکے بعد دیگرے سورج اور چاند، آسمان اور زمین، ہوا اور ایثر پیدا کئے۔ ایک جگہ مثلاً ۱۰، ۱۲۱ میں زمین و آسمان اور پانی کی تخلیق کا کام ایک ہستی کے نام منسوب کیا گیا ہے جو ازل سے ظاہر ہوا اور جو تمام دیوتاؤں کا سردار ہے اس کا نام پراجاپتی ہے جو تمام مخلوق کا خداوند ہے۔

عملی طور پر اس دور میں تمام دینی زندگی کا دارومدار چند اعمال کے ادا کرنے پر تھا۔ دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنا اور بدروحوں کی خباثت سے محفوظ و مامون رہنا ان کے نزدیک بہترین اور اعلیٰ ترین مقصد تھا۔ ان دونوں قسم کے مقاصد کیلئے ان کے پاس دو طریقے تھے، دعا اور قربانی۔ رگ ویدوں کے ابتدائی اور تخلیقی دور میں دعاؤں میں اضافے ہوتے رہے لیکن بعد میں یہ دعائیں بالکل مقرر ہو گئیں اور ان میں کسی ترمیم یا اضافے کی ضرورت نہ رہی اور اس طرح یہ رسم محض میکانکی ہو کر رہ گئی۔ ان دعاؤں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرنے والے کا مدعا محض کسی عارضی اور مادی فائدے کا حصول ہوتا تھا۔ کبھی عام الفاظ میں خزانوں، برکتوں، حفاظت یا فتح کی خواہش کا اظہار ہوتا تھا اور بعض دفعہ خصوصی خواہشات کا

بھی ذکر ملتا ہے مثلاً لمبی زندگی، طاقتور اولاد، مویشی، گھوڑوں، دولت، سونے کی کثرت، خالص اخلاقی مطالبات کا وجود عدم کے برابر ہے۔ ہمیں کہیں بھی ایسی دعائیں ملتی جہاں نیک خیالات اور اعمال کے لئے توفیق طلب کی گئی ہو، جہاں خدا کے منشا کے خلاف عمل پیرا ہونے سے معافی مانگی گئی ہو اور جہاں بدی اور شر سے محفوظ رہنے کی دعا کی گئی ہو۔ دعائیں خدا اور انسان کے درمیان محبت و خلوص، انکسار و عاجزی، صبر و توکل کے جذبات سے بالکل عاری ہیں۔ ان دعاؤں کے متعلق عام تصور یہی تھا کہ یہ بے اثر نہیں رہ سکتیں۔ جہاں کسی شخص نے ان دعاؤں کو پڑھا وہیں دیوتاؤں پر ان مرادوں کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس طرح جادو اور منتروں کا تصور زیادہ حاوی ہوتا گیا۔ اخلاقی تربیت اور اصلاح کا کام لینے کی بجائے ان کو ٹونے اور ٹوٹکے کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔

دعاؤں کے بعد دوسرا دینی عمل قربانی تھا۔ قربانی کا مقصد محض چند فوائد کا حاصل کرنا تھا۔ ان کا تعلق مستقبل سے تھا ماضی سے نہیں۔ یعنی ان قربانیوں کے ذریعہ گذشتہ بداعمالیوں کی تلافی نہیں بلکہ آئندہ کے لئے منافع کا حصول ہے۔ جہاں گذشتہ افعال کی تلافی کے لئے بھی قربانی دی جائے تو اس کی روح بھی اس طرح کی ہے۔ یہ دو قسم پر مشتمل ہیں: (۱) کسی دیوتا کی منشا کے خلاف کوئی عمل سرزد ہو جائے تو اس کے غصے کو رفع کرنے کے لئے۔ (۲) یا کوئی جرم کا داغ مٹانے کے لئے۔ ان کے نزدیک جرم گویا ایک ایسی ہی مادی چیز ہے جیسا کہ مثلاً بیماری۔ قربانی کے متعلق مروجہ تصور یہی ہے کہ قربانی سے دیوتا مجبور ہو جاتے ہیں کہ قربانی دینے والے کی دعا قبول کریں اور جو چیز اس نے مطالبہ کی ہے وہ اس کو دے دی جائے۔ بعض جگہ یہ خیال ملتا ہے کہ دیوتا قربانی کو دیکھ کر اپنی خوشی سے لوگوں کی خواہشات اور ان کے مطالبات کو پورا کرنے کا عزم کر لیتے ہیں۔ یہ کوئی فرض کی ادائیگی نہیں بلکہ آزادی اور خوشی سے دونوں طرف سے محبت و خلوص کا اظہار ہے۔ لیکن دوسری جگہوں میں خود رگ وید سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی دیوتاؤں کو بدلہ دینے اور قربانی دینے والوں کی خواہشات کو پورا کرنے پر مجبور کرتی ہے، حتیٰ کہ منتر اور اوراد جو قربانی کی رسم ادا کرتے وقت ادا کئے جاتے ہیں وہ قوت فطرت اور دیوتاؤں پر بالکل حاوی ہو جاتے ہیں۔ خود دیوتا بھی جب انہیں اپنی تخلیقی قوتوں میں کمی کا احساس ہوتا ہے قربانی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ہندو مت کے دیوتاؤں کی فہرست تو بے شمار ہے لیکن ان میں سے کچھ دیوتا ایسے ہیں جو مرور زمانہ سے بلند ترین منصب پر فائز ہو گئے۔ ان میں سرفہرست برہما کا نام ہے جو رگ وید کے پراجاپتی کا مماثل اور کائنات کا خالق ہے۔ لیکن عملی طور پر ہندوؤں میں برہما کی بجائے شیو اور وشنو دیوتاؤں کے پجاری عام تھے اور انہی سے بعد میں بھگتی کی تحریک کو فروغ حاصل ہوا۔

تاریخی طور پر مسلمانوں کے آنے سے پہلے ہندو مت کی حالت کا اندازہ مختلف ذرائع سے ہوتا ہے۔ سب سے پہلی شہادت فاہین کی ہے جو پانچویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا۔ اس وقت ملک کے شمال مغربی حصہ میں بدھ مت

رائج تھا، مدھیا دیش میں برہمن مت اور بدھ مت کے درمیان مصالحت کی شکل پیدا ہو رہی تھی۔ جب اس کے دو سو سال بعد ہیون سانگ ہندوستان آیا تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مت اپنی قدیم ہر دل عزیزی حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا اگرچہ بدھ مت ابھی تک موجود تھا اگرچہ ہنایانا کی جگہ مہایانا نے لے لی تھی۔ بادشاہ ہرش کی مذہبی پالیسی مکمل رواداری پر مبنی تھی۔ ہیون سانگ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شیو کی پوجا کا رواج زوروں پر تھا۔ خود مسلمان سیاحوں یا مؤرخوں نے جو حالات بیان کئے ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے شیو کی پوجا عام تھی اور اس کے پیرو جنوبی ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔

دوسرا طریقہ علم حقائق کے حصول پر مبنی ہے۔ جب مرورِ زمانہ سے تناسخ اور کرم کے نظریات رائج ہوئے تو یہ چیز عیاں طور پر سامنے آنے لگی کہ محض اعمال پر انحصار کرنے سے نجات ممکن نہیں۔ جب تک انسان اس دنیا میں موجود ہے عمل اس سے سرزد ہوتا رہے گا اور اس لئے علت و معلول کے چکر سے چھٹکارا ملنا محالات سے ہوگا۔ کیا ایسی حالت میں نجات کا کوئی اور راستہ نہیں؟ ان مسائل پر غور و فکر کرنے والے مدھیا دیش کے بیرونی حلقوں کے لوگ تھے جن میں برہمن، کشتری اور دیگر غیر برہمن سب شامل تھے۔ انہی مفکرین کی کوششوں سے اپنشد وجود میں آئے جن کی بنیاد پر بعد میں ہندوؤں کے چھ مختلف مدارسِ فکر پیدا ہوئے۔ ان سب میں ایک چیز مشترک ہے کہ آواگون کے چکر سے چھٹکارا پانے کے لئے عمل کی بجائے علم کا سہارا ناگزیر ہے۔ اگر ایک شخص حقیقت مطلقہ کا علم حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ عمل سے پیدا شدہ علت و معلول کے جھگڑے سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

لیکن علم و معرفت کا طریقہ اپنی فطرت و نوعیت کے لحاظ سے عوام میں مقبول ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا اس لئے جہاں تک اکثریت کا تعلق تھا لوگ کرم مارگ کے اصول پر ہی کاربند رہے۔ بتوں کی پوجا پاٹ، قربانی، منتر جنتر اور جادو تک ہی تمام مذہبی زندگی محدود رہی۔ جہاں ایک طرف بلند کردار حکماء کی اقلیت تھی جن کے نزدیک انسان کی نجات کا راز اس علم کے جاننے پر موقوف تھا کہ حقیقی وجود صرف موجود مطلق کا ہے اور یہ تمام کائنات انسان سمیت محض اودیا کا نتیجہ ہے، اس کے دوسری طرف اس ملک میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جن کی عقل و فکر ان مجرد بلندیوں تک پہنچنے سے قاصر تھی اور اس لئے اس کائنات کی ہر چیز کے آگے سر جھکانے ہی کو مذہب کا تقاضا سمجھتے تھے۔ لیکن دو راستوں کے علاوہ ایک اور طریقہ بھی تھا جس کو بعد میں بھگتی مارگ کہا جاتا ہے۔

لیکن تاریخی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ اور برہمن مت میں اس کی حیثیت کا تعین یقینی طور پر مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد اور ان کے اعمال اور خیالات کے زیر اثر عمل میں آیا۔ چنانچہ ڈاکٹر تارا چند کا کہنا ہے کہ جب مسلمان جنوبی ہند میں ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں آکر آباد ہوئے اس سے پہلے بھگتی مارگ کا کوئی واضح تصور برہمن مت میں موجود نہ تھا۔

بھگتی کے مفہوم میں دو چیزیں شامل ہیں۔ ایک علم اور دوسرے عشق و محبت اور خلوص۔ یہ محض علم نہیں اگرچہ یہ علم کا نتیجہ ہو سکتا ہے کیونکہ بعض دفعہ علم سے نفرت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ محض پوجا پاٹ اور پرستش بھی نہیں کیونکہ یہ چیزیں بھگتی کی غیر موجودگی میں بھی پائی جا سکتی ہیں۔ یہ ایک وجود مشخص کی ذات کے ساتھ عشق و نیاز کا اظہار ہے، کسی عقیدہ یا مابعد الطبیعی نظریہ پر نظری ایمان کے مترادف نہیں۔ انسان کے ذاتی اعمال اور کردار یا ارادی قوت پر اس کا کوئی انحصار نہیں۔ اگر انسان کے اعمال میں خود غرضی شامل نہ ہو تو اس سے بھگتی کے حصول میں مدد ضرور ملتی ہے لیکن شرط صرف خلوص ہے۔ خلوص تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب انسان اپنی ذات، اپنی تمام خواہشات، اپنی مکمل زندگی کو خدائے مطلق کی رضا پر قربان کردے اور خالصتہً اسی کا ہو رہے۔ اسی کو اسلامی تصوف میں توکل کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن میں دو جگہوں میں اس رویہ کو بیان کیا گیا ہے:

انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا و ما انا من المشرکین۔ (۶، ۷۹)

میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور (میں اس معاملہ میں) کسی اور کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا۔

یعنی انسان کا عقلی اور قلبی، علمی اور جذباتی سب تعلقات سے مُنہ موڑ کر صرف اس خدائے پاک سے متوجہ ہونا ہی صحیح توحید ہے۔ دوسری جگہ اسی تصوّر کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے:

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ لاشریک لہٗ وبذالک اُمرت وانا اول المسلمین۔ (۶، ۱۶۲-۱۶۳)

آپ کہہ دیجئے کہ بالیقین میری نماز (یعنی قلبی لگاؤ و رجحان) اور میرے مناسک (یعنی بدنی و ظاہری اعمال) میری زندگی اور میری موت سب خالص اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہؤا ہے۔ اور ان تمام لوگوں میں سے جو اس پر ایمان لائے ہیں اوّل ہوں۔

ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں بھگتی کا تصوّر بہت بعد کی پیداوار ہے اور اس کے کئی ایک معقول وجوہ ہیں۔ بھگتی یعنی محبت کا جذبہ ایک مشخص ذات کا طالب ہے اور ہندوؤں کے ہاں ویدوں کے زمانے سے لے کر ایسا تصوّر خدا کے متعلق موجود ہی نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ جس منزل تک وہ پہنچ سکے وہ ابتدائی اُپنشدوں کا وحدت وجودی اصول مطلق تھا جو اس کائنات سے علیحدہ کوئی وجود نہیں رکھتا۔ تعجب اس بات پر ہے کہ بھگتی کا یہ موجودہ مفہوم سب سے پہلے بدھ مت کی ان کتابوں میں ملتا ہے جو چوتھی صدی قبل مسیح میں معرضِ تحریر میں آئیں۔ بدھ مت ایک ایسا مذہب ہے جس میں خدا کے وجود کی کوئی گنجائش نہ تھی لیکن یہ انسانی فطرت کا ایسا تقاضا ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں۔ چنانچہ بدھ کے پیرؤں میں نہ صرف یہ کہ خدا کو تسلیم کیا گیا بلکہ اس کو اس حد تک متعین اور مشخص قرار دیا گیا کہ اس سے محبت کی جا سکے۔ اس کے بعد

بھگوت گیتا کے اس قدیم حصّے میں یہ تصوّر سامنے آتا ہے جو برہمنوں سے سیاسی مصالحت کے دَور سے پہلے موجود تھے[1] اور جو شاید سن عیسوی سے دو سو سال پہلے لکھا گیا۔ بھگتی مارگ کی کامیابی کا دارومدار جہاں ایک ماورائی خدا کے تصوّر پر ہے وہاں اس کا واحد ہونا بھی ضروری ہے اور یہ دونوں باتیں ہندوؤں کے ہاں غیر واضح تھیں۔ البتہ بھگوت گیتا کے قدیم حصّوں میں یہ دونوں باتیں غیر مبہم طور پر ملتی ہیں۔ بعض جگہ خود ویدوں کی مناجاتوں میں اور خاص کر ان نظموں میں جو ورون دیوتا کے نام منسوب ہیں محبت و خلوص کے وہ جذبات ملتے ہیں جن کے لئے بعد میں بھگتی کی اصطلاح رائج ہوئی لیکن بدقسمتی سے یہ توحیدی تصوّر عوام میں مقبول نہ ہو سکا اور ان کی زندگی صدیوں تک کثرت پرستی کی نذر ہوتی رہی اور برہمن عام طور پر وحدت وجودی نظریئے سے آگے نہ بڑھ سکے۔

محققین کا خیال ہے کہ ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں توحیدی تصور کا آغاز برہمنوں کی بجائے جنہوں نے مدھیا دیش میں مذہبی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی کھشتریوں کے ہاتھوں ہوا جو مدھیا دیش کے مشرق، مغرب اور جنوب میں آباد تھے۔ انہی علاقوں میں ان لوگوں نے برہمنی وحدت وجود کے مقابلہ پر توحیدی نظریات پیش کرنا شروع کئے۔ تاریخی طور پر اس تبدیلی کے تمام تفصیلی حالات سامنے نہیں جن سے اندازہ ہو سکے کہ کن وجوہات کے باعث یا کن دلائل کی بنا پر یہ کشتری مفکّرین توحید تک پہنچے لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی بنیاد ان کے ہاں سورج کی پرستش کے بعد رکھی گئی۔ یہ واقعہ کافی حد تک دلچسپ ہے کیونکہ ایران، ہندوستان اور مصر اور مغربی ایشیا میں مختلف وقتوں میں توحید کے علمبردار تقریباً سورج کے پرستاروں میں سے پیدا ہوئے۔ مصر میں واضح تاریخی روایات کی بنا پر جو شخص توحید کا پہلا علمبردار تھا وہ فرعون اخن آتون تھا جس کی مناجاتوں میں سورج دیوتا کی ہمہ گیری اور خدائے واحد کے رب العالمین ہونے کے تصوّرات ایک جگہ موجود ہیں۔ اس خدائے واحد کا نام آتون تھا جو قدیم مصری تاریخ میں سورج کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ مثلاً مندرجہ ذیل مناجات کو لیجئے:

"اے زندہ جاوید آتون جو زندگی کا منبع اور مصدر ہے! تم آسمان کے اُفق پر پورے جمال سے ظاہر ہوتے ہو۔ جب تم مشرقی افق پر طلوع ہوتے ہو تو اس کائنات کا ہر چپّہ تیرے جمال سے پُر نور ہو جاتا ہے۔ تم ہر ملک پر چمکتے ہو اور تمہارا نور اور جمال اس کو منوّر اور خوبصورت بناتا ہے۔ تمہارے نور کی شعاعیں اس زمین کو گھیرے میں لے لیتی ہیں۔ تم خدائے ری ہو۔ اگرچہ تم دور ہو لیکن تمہارا نور اور تمہاری شعاعیں زمین پر ہیں۔ اگرچہ تمہارے قدم ہمیں دکھائی نہیں دیتے، تمہاری شکل انسانوں کے چہروں میں عیاں ہے۔"

اس آخری فقرے میں وہی تصوّر پیش کیا گیا ہے جو بائبل میں اس طرح مذکور ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی شکل پر پیدا کیا اور جسے قرآن نے زیادہ تجریدی طریقے سے یوں پیش کیا:

---

[1] دیکھئے مصنف کی کتاب "حکمائے قدیم کے اخلاقی نظریات" کا باب: بھگوت گیتا اور اس کا فلسفۂ اخلاق۔

فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا (۳۰، ۲۹) خدا کی فطرت جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا۔

اس مناجات میں ایک دوسری جگہ توحید کا واضح اور مکمل اعلان موجود ہے:

"(اے خدا!) تمہارے کاموں کی کوئی انتہا نہیں جو انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ اے خدائے واحد جس کے علاوہ اور کوئی دوسرا نہیں، تم نے اس کائنات کو حکمت سے بنایا۔"[1]

اسی طرح کالدیہ اور کنعان میں شمس دیوتا اور نناز (چاند دیوتا) کی پرستش کا عام رواج تھا اور اسی کی بنیاد پر حضرت ابراہیم نے خدائے واحد کی تعلیم دینی شروع کی۔ جیسا کہ قرآن میں تفصیل سے درج ہے وہ ستاروں، چاند اور سورج کو دیکھ کر ہی آفلین کی عبادت سے بڑھ کر غیر فانی اور واحد خدا تک پہنچے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں کھشتری مفکرین بھی اسی طرح سورج دیوتا کی پرستش کے بعد خدائے واحد کے تصور تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ بھاگوت طریقے کے جتنے فرقے ہندوؤں میں پیدا ہوئے ان سب کا تعلق کسی نہ کسی طرح سورج دیوتا تک جا پہنچتا ہے۔ مہابھارت کے بیان کی رو سے بھگوان نے اس دین کی تعلیم سب سے پہلے ایک کاہن ناردا کو دی، اس نے سورج دیوتا کو تعلیم دی اور اس سے یہ سلسلہ وار انسانوں تک منتقل ہوا۔ رام چندر جو بھگوان کا بلند ترین اوتار تھا سورج بنسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور کرشن چندر بنسی خاندان سے متعلق تھا۔

اس توحیدی بھاگوتی مذہب کا بانی کشتری کرشن واسدیو تھا جو مدھیا دیش کے بیرونی علاقوں کا رہنے والا تھا۔ اس نے خدائے واحد کے لئے "بھگوت" کی اصطلاح استعمال کی اور اسی سے اس فرقے کا نام بھاگوتی قرار پایا۔ ابتدا میں یہ فرقہ خاص توحید کا علمبردار تھا اور واسدیو نے خدا کو صفاتِ حسنہ کا حامل قرار دیا۔ لیکن مرورِ زمانہ سے خود کرشن کو جو درحقیقت ایک مذہبی مصلح اور بہادر جنگ جو سپاہی تھا خدا قرار دیا جانے لگا۔ اس کے علاوہ اس مذہب کو فکری بنیاد مہیا کرنے کے لئے بھاگوتوں نے بیرونی علاقوں کے فلسفیانہ نظاموں کے تصورات کو اختیار کرنا مناسب سمجھا جو ان کے اپنے مذہبی عقائد کی طرح خالص کشتریوں کے زورِ فکر کا نتیجہ تھے۔ ان میں سرِفہرست سانکھیا درشن کا نام ہے اور اس کے بعد یوگ۔ یہ دونوں فکری نظام بیرونی علاقے کی پیداوار تھے اور اس لئے وہ وحدت وجودی تصورات سے بالکل متاثر نہ ہوئے۔ لیکن سانکھیہ کی بنیاد کلیتہً لادینیت پر تھی اور اس میں نہ خدا کا وجود تسلیم کیا گیا تھا اور نہ اخلاق کی کوئی اہمیت تھی۔ اس کے برعکس بھاگوتی مذہب کی روح خالص توحیدی اور اس کا مقصد بالکل اخلاقی تھا۔ ان دو نظاموں کا تضاد واضح تھا لیکن اس کے باوجود ان دونوں کو باہم ملانے کا کام یوگ کے ذریعہ عمل میں آیا۔ جسمانی ورزے کی خصوصی تربیت سے انسانوں کو غیر معمولی قوتیں حاصل ہونے کا نظریہ تو ہندوستان میں قدیم سے رائج تھا لیکن بعد میں

---

[1] یہ دونوں اقتباسات برسٹیڈ کی کتاب "ضمیر کا طلوع" (نیویارک ۱۹۴۷) صفحہ ۲۸۱-۲۸۲-۲۸۴ سے لئے گئے ہیں۔

ان قوتوں کے حصول سے اس علم کے حصول میں مدد لی جانے لگی جس کا مطالبہ سانکھیہ نے کیا تھا اس طرح یوگ اور سانکھیہ کا یہ ملاپ بھاگوتی مذہب کے توحیدی رجحان کو ایک فکری بنیاد دینے میں کامیاب ہوا۔ اس اشتراکِ عمل سے یوگ والوں کو عوام کی تائید حاصل ہو گئی اور انہوں نے سانکھیہ میں ایک خدا کے وجود کو داخل کر کے بھاگوتی دین کے پیروؤں کے ساتھ اتحاد کر لیا۔

لیکن جب بدھ مت کچھ اپنی داخلی خوبیوں اور کشش کے باعث اور کچھ برہمن مت کی ناروا پابندیوں اور ظاہریت پرستی کے باعث ملک میں پھیلنے لگا تو برہمنوں کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ بھاگوتی دین اور بدھ مت میں کوئی مماثلت نہ تھی لیکن برہمن مت کے ساتھ بہت سی چیزیں مشترک تھیں۔ اس بنا پر برہمنوں نے بھاگوتوں کو بدھ مت کے خلاف اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس مقصد کی خاطر انہوں نے بھاگوتیوں کے خدائے واحد کو ویدوں کے قدیم دیوتا وشنو کا نام دیا جس کی مورتی کی پوجا مدھیا دیش کے عوام میں کثرت سے مقبول تھی اور دوم بھاگوتی توحیدی دین کو جائز اور صحیح تعبیر قرار دیا گیا۔ کشتریوں اور برہمنوں کی قدیم مناقشات سے چشم پوشی کی جانے لگی اور آہستہ آہستہ بھاگوتی برہمن مت کا ایک فرقہ بن کر رہ گئے۔ بھگوت گیتا جو درحقیقت بھاگوتی دین کے توحیدی نظریہ اور بلند اخلاق کی آواز تھی، اس مصالحت کا آئینہ دار بنایا گیا۔ اس میں واسدیو کو وشنو قرار دیا گیا ہے اور کرشن کو جو واسدیو کا نام تھا خدا کے اوتار کی حیثیت سے برہمن مت میں شامل کر لیا گیا۔ آہستہ آہستہ برہمن مت کا اثر اتنا حاوی ہو گیا کہ بھاگوتی دین کی خصوصی صفات، توحید اور اخلاق برہمن مت کی توحید وجودی میں گم ہو گئیں اور وہ خدا جو انسانوں سے محبت کرتا اور جس سے لوگ محبت کرتے ہیں ایک ماورائی اصول مطلق ہو کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ عوام کی عقیدت کو برقرار رکھنے کے لئے اوتاری کا تصور پیش کیا جانے لگا یعنی اگرچہ وہ اصول مطلق انسانوں کے قریب نہیں آسکتا تاہم جب وہ انسانی شکل اختیار کر کے لوگوں کے سامنے آجاتا ہے تو اس طرح قربِ الٰہی ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ برہمن مت کی مشرکانہ رسوم، کثرت پرستی اور بے شمار دیوتاؤں کی پوجا پاٹ بھی شامل ہو گئی اور آہستہ آہستہ بھگوتی مذہب کی توحید ان مراسم میں آکر بالکل دب گئی۔

اس تمام دوران میں دو طرح کے فلسفیانہ تصورات بھاگوتیوں میں رائج رہے۔ ایک طرف تو وہ سیاسی اور معاشرتی مصالحت کے باعث برہمنی وجودیت کے خلاف آواز نہ اٹھا سکے اور دوسری طرف ان کا ابتدائی تعلق سانکھیہ یوگ فلسفیانہ فکر کے ساتھ بھی قائم رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ہاں ان دو متضاد نظریات کے درمیان ایک غیر مربوط سی آمیزش پیدا کرنے کی کوشش جاری رہی۔ ایک طرف وجودیت کی ایک ہلکی سی تعبیر اختیار کی گئی یعنی کائنات کی ہر چیز خدائے مطلق ہی کا حصہ ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ تصور کسی طرح بھی وحدت وجود نہیں کہلا سکتا۔ خالص وحدت وجود کا اقتضا صرف یہی نہیں کہ ہر چیز کو خدا کا ایک حصہ خیال کیا جائے بلکہ ضروری جزو تو یہ ہے کہ خدا کے مقابلہ پر کسی چیز کا

وجود ہے ہی نہیں۔ وجود مطلق ہی حقیقی ہے باقی سب کچھ فسون و فسانہ ہے یا ویدانت کی اصطلاح میں وہ مایا ہے اور اودیا (جہالت) کا نتیجہ۔ ایک توحیدی مذہب کے لئے اس چیز کو تسلیم کرنے سے کوئی عار نہیں کہ کائنات کی تمام اشیاء اور خود انسان بھی اسی قادرِ مطلق کی قدرت کاملہ کے مظاہر ہیں بشرطیکہ ان کے وجود کو اس موجود مطلق کے وجود سے متمیز سمجھا جائے۔ جب تک یہ ماورائیت اور دوئی موجود ہے مذہب اور اخلاق کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ اگر بھاگوتی دین کے پیروؤں نے برہمنی وجودیت سے یہ چیز نکال کر اختیار کیا تو یہ تو ہر صحیح دین کا تقاضا ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان جہاں دوئی اور غیریت کی ضرورت ہے وہاں ایک سے دوسرے کا گہرا تعلق اور نزدیکی بھی ناگزیر ہے۔ وجودی طور پر وہ دو ہیں لیکن اخلاقی طور پر ان کے درمیان یگانگت ہے اور جب کہا جاتا ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ہر انسان کے لئے خدا کا وجود ایک نصب العین ہے جس کی طرف اس کو اپنی تمام کوششیں مرکوز کر دینی چاہئیں۔ یہی وہ چیز تھی جس کو بھگوت گیتا کے آخری حصّوں میں بیان کیا گیا اگرچہ بعض جگہ برہمنی وجودیت کے زیر اثر اس میں خدا اور انسان کی وجودی دوئی کو مٹانے کی کوشش بھی کی گئی۔ دوسری طرف سانکھیہ یوگ کی مادہ اور روح کی دوئی کو بھی بڑے زور شور سے پیش کیا جاتا رہا۔ ان دو مختلف اور متضاد نظریات میں ہم آہنگی عقلی طور پر تو ممکن نہ تھی لیکن عملی طور پر یہ دونوں تصوّرات بھاگوتیوں کے ہاں موجود رہے۔ بھگوت پُران (حصّہ تیسرا، فصل ۲۴) اسی نقطۂ نگاہ کا حامل ہے جس کو بعض لوگوں نے پورانی سانکھیہ کا نام دیا ہے۔ اگرچہ عقلی طور پر آمیزش غیر مربوط اور ناقابلِ تسلیم تھی لیکن بھگوتی دین کے پیروؤں کے ہاں عملی طور پر اس کا کافی چلن رہا ہے اور اس لئے تاریخی طور پر اس سے بے اعتنائی نہیں برتی جا سکتی۔ اس عمل سے لفظ "یوگ" کے مفہوم میں کافی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ یوگ کا اصل اور ابتدائی مفہوم محض خیالات کا کسی ایک تصوّر پر مرکوز کرنا تھا لیکن بعد میں اس کے مفہوم میں خدا کے ساتھ جذبۂ خلوص بھی شامل ہو گیا۔ خود بھگوت گیتا میں یوگ کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کرم یوگ یعنی فرائض اور اعمال کو بے غرضانہ طور پر سرانجام دینا اور دوسرا جنان یوگ یعنی مذہب کا نظری اور مابعد الطبیعیاتی پہلو۔ پورانی سانکھیہ یعنی بھگوت پورانوں میں یوگ کو تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا۔ کرم یوگ سے مراد اخلاقی ذمہ داریوں کو خلوص اور بے غرضی سے سرانجام دینا نہ تھا بلکہ محض مذہبی رسوم کی ظاہری شکل کو پورا کرنا تھا۔ پورانوں کے نظریئے کے مطابق ان رسوم کی ادائیگی ناگزیر تھی کیونکہ اسی کی بنیاد پر انسان اگلی منزل یعنی جنان یوگ تک پہنچنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ جنان یوگ سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے قلب کو پوری طرح خالصتہً اللہ کے لئے وقف کر دے۔ ان دونوں منزلوں کے بعد بھگتی یوگ کا درجہ ہے جس میں ماسوا اللہ کا تصوّر بالکل غائب ہو جاتا ہے اور اس کے تمام جذبات، مقاصد اور عزائم کا مرکز صرف خدا کی ذات رہ جاتا ہے۔

اس کے بعد ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں ایک نئے دَور کا آغاز ہوُا سب سے اہم ترین واقع مسلمانوں کا جنوبی ہندوستان میں آنا تھا مسلمانوں سے پہلے عیسائی مبلغین بھی آئے تھے اور مغربی مصنفین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوؤں کے مذہبی خیالات کی تبدیلی کا باعث انہی لوگوں کی کوششیں تھیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ تبدیلی عیسائیوں کے آنے سے پیدا ہوئی تو اس کا واضح اثر آٹھویں اور نویں صدی عیسوی سے پہلے کیوں ظاہر نہیں ہوُا؟ اس کے علاوہ جب شام، ایران اور مصر سے عیسائی جنوبی ہندوستان میں آکر ساتویں صدی میں آباد ہونا شروع ہوئے تو اس وقت ان تمام علاقوں پر مسلمان قابض ہو چکے تھے اور وہ پناہ گزینوں کی حیثیت میں یہاں وارد ہوئے اور یہ حیثیت ایسی نہ تھی جو ہندوستان کے باشندوں کے ذہن پر کوئی پائدار اثر پیدا کر سکتی۔ اس کے برعکس جب مسلمان یہاں آنا شروع ہوئے تو اس وقت وہ دینی اور سیاسی طور پر پوری بلندی پر تھے اور ان کی فتوحات اور ان کا دینی جوش اور علمی سرگرمی دوسروں کے لئے موجب حیرت ضرور تھی۔

(باقی آئندہ)

سرسیّد کے مذہبی افکار (انگریزی) مصنفہ بشیر احمد ڈار

سرسیّد احمد خاں ایک ترقی پسند اور روشن خیال تحریک کے علمبردار تھے اور انیسویں صدی میں ہندوستان کے معاشرتی اور سیاسی حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے اسلامی تعلیمات کی جو تشریح کی اسکو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ قیمت دس روپے۔

مسلم ثقافت ہندوستان میں مصنفہ عبدالمجید سالک

اس کتاب کی تالیف کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مسلمانوں نے برصغیر پاک و ہند کو گزشتہ ایک ہزار سال کی مدت میں کن برکات سے آشنا کیا۔ اور اس قدیم ملک کی تہذیب و ثقافت پر کتنا وسیع اور گہرا اثر ڈالا ہے۔ صفحات ۷۳۵ ۔ ۱۲/- روپے

سکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور